P. O. RGD. No. A922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے | سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۱ | یکم دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء | ایڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۱۲ صفر المظفر ۱۳۷۲ ہجری | نمبر ۰۵

کچھ اپنی باتیں

ہندی ادیب اور علاقائی تحریک

ساہتیہ کار سنسد کی محترم سکریٹری شریمتی مہادیوی ورما۔ ایم۔ اے۔ بی۔ سی کی صدارت میں ہندی زبان کے کچھ ادیب الہ آباد میں جمع ہوئے اور انہوں نے ایک قرارداد منظور کی جس میں اہل ملک اور حکومت پر زور دیا گیا کہ وہ قومی زبان کے خلاف "قوم دشمن فرقہ واری اور مضرت رساں" تحریکوں کا مقابلہ کریں۔ اور وہ ہندی اور دیوناگری رسم خط کے ساتھ ساتھ کسی دوسری زبان اور رسم خط کو ایک ہی علاقہ میں گوارا نہ کریں۔ اس قرارداد میں خاص طور پر اہل قلم سے اپیل کی گئی کہ وہ اس خطرہ سے خبردار رہیں جو "بعض سیاسی رجعت پسند اور موقع پرست طاقتوں" نے جو ہندی کے خلاف کام کر رہی ہیں پیدا کیا ہے" بعض مقررین نے تو اردو کی علاقائی تحریک کا نام لیکر یہہ بھی فرما دیا کہ "اب وقت آ گیا ہے جب ہمکو صاف صاف کہدینا چاہئے کہ اس ریاست (اترپردیش) میں ہم کسی ایسی تحریک کو گوارا نہ کرینگے جو ۵ سال پہلے جاری تھی۔"

تقریروں کے ایک طومار کے بعد اس قرارداد پر عمل کرانے کے لئے ہندی ادیبوں کی ایک عارضی کمیٹی مقرر کردی گئی۔

یہہ خلاصہ ہے اس روئداد کا جو اخبار ہندستان ٹائمز کے پورے ایک کالم میں شائع کی گئی ہے۔

بات بالکل صاف اور سیدھی ہے اور ان ہندی ادیبوں کا نقطہ نظر بالکل واضح ہے۔ انہیں اس بات سے بحث نہیں کہ جائز طور پر اردو زبان اترپردیش کی علاقائی زبان ہے یا نہیں۔ لسانیات اور تاریخ کے نقطہ نظر سے وہ اس سوال کا کوئی فیصلہ کرنا پسند نہیں کرتے اور نہ وہ واقعاتی حیثیت سے یہہ سوچنا پسند کرتے ہیں کہ اترپردیش میں کتنے آدمی ایسے بستے ہیں جنکی مادری زبان اردو ہے۔ وہ یہہ بھی سننا نہیں چاہتے کہ بھارت کا دستور اساسی اس بارے میں کیا کہتا ہے انہیں تو صرف یہہ کہنا ہے کہ ہندی زبان کے علاوہ کوئی بھی عوامی تحریک جو کسی علاقائی

زبان کے متعلق شروع ہوگی وہ "قوم دشمن اور فرقہ واری" ہوگی اور اس لئے حکومت اور اس ریاست کے باشندوں کی اکثریت کو اسکی مخالفت کرنی چاہئے۔

نظر لگے نہ کہیں انکے دست و بازو کو!

معاملہ تو صرف اتنا ہی ہے کہ علاقائی زبان اور سرکاری زبان ایک ہی ہے اور اگر کوئی شخص یہہ کہے کہ سرکاری زبان کے علاوہ بھی کوئی علاقائی زبان اس ریاست میں ہے جو ایک کروڑ سے زیادہ ہندو مسلمانوں کی مادری زبان ہے تو اسکی زبان بند کردینی چاہئے اور اسکے ہونٹوں پر مہر لگادینی چاہئے اور ہر طرف اس عقیدے اور ایمان کا پرچار کرنا چاہئے کہ سرکاری زبان وحدہ لاشریک ہے! جو کوئی اس عقیدے پر ایمان نہ لائے وہ اسی قسم کا غدار ہے جیسے کہ پانچ سال پہلے ہوا کرتے تھے، یعنی مسلم لیگی اور پاکستانی!!

بات کہاں سے کہاں پہنچی — سیدھا سادہ لسانیات کا ایک واقعاتی مسئلہ فرقہ پرستی کے محور پر گھومنے لگا! مگر یہہ فرقہ پرستی اردو دانوں کی نہیں ہے — وہ تو بغیر کسی تعصب کے ہندی زبان کو سرکاری زبان تسلیم کرتے ہیں؛ نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر شخص ہندی سیکھے اور ہندی بولے اور ہندی لکھے، لیکن اگر اسکی مادری زبان ہندی کے علاوہ بھی ہے تو وہ اسے بھی اپنے لئے محفوظ رکھے اور اسکے جایز حقوق کی بھی حفاظت کرسکے۔

ہندستان میں تقریباً ۲۲۲ علاقائی زبانیں رایج ہیں۔ اور ہندی کے علاوہ علاقائی زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد ۱۳ کروڑ بتائی جاتی ہے ۲ کروڑ سے زیادہ کی مادری زبان تامل ہے ۹۰ لاکھہ کی زبان ملایلم ہے۔ ایک کروڑ سے زیادہ کی زبان کنڑی ہے، ڈھائی کروڑ سے زیادہ کی زبان تلنگی ہے، ۲ کروڑ کی زبان مرہٹی ہے ساڑھے تین کروڑ کی زبان بنگالی ہے، اسی طرح صرف اترپردیش میں ایک کروڑ کی زبان اردو ہے۔ اس وقت تک ایک پتا بھی نہیں ہلتا جب تک اردو کے سوا باقی تمام زبانوں کے بولنے والے اپنی علاقائی حیثیت پر زور دیتے ہیں اور دستور کے منشا کے مطابق اپنی زبان کی ترقی چاہتے ہیں، لیکن قیامت صرف اس وقت آتی ہے جب اردو کا نام اس ریاست میں لیا جاتا ہے جو اردو کا مولد اور وطن ہے۔ اور فرقہ پرستی کا سوال صرف اردو دانوں کے لئے پیدا ہوتا ہے اور صرف انہی کا رسم خط ہندی کے لئے ایک خطرہ بن جاتا ہے۔ یہہ کیسی عجیب بات ہے ـــ لیکن اگر ذہنیتوں کا صحیح اندازہ کیجئے تو کچھہ ایسی عجیب بھی نہیں!

ہمیں تو کچھہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت تک علاقائی تحریک کا آغاز تھا سمجھا یہہ گیا کہ یہہ تحریک چند روز کے بعد خود ہی ختم ہوجائیگی، لیکن اب جبکہ ۲۰ لاکھہ دستخط ہوگئے تو یہہ محسوس کیا جارہا ہے کہ علاقائی زبان کا یہہ مطالبہ کوئی معنے رکھتا ہے اور اب اس سے بے پروا نہ ہونا چاہئے بلکہ اسکے مقابلہ میں محاذ تیار کرلینا چاہئے۔ خود حکومت کے حلقوں میں، کانگریس کے گوشوں میں اور اب ہندی اہل قلم کے پلیٹ فارم پر بھی (جہاں زیادہ وسعت قلب کی توقع جاسکتی تھی) اردو کا مقدمہ پیش کردیا گیا ہے اور اسکے خلاف غداری اور فرقہ پرستی کی مصنوعی آوازیں بلند ہونے لگی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے حلقوں میں اگر یہہ اوچھے ہتیار استعمال کئے جاتے تو ہمیں تعجب نہ ہوتا۔ لیکن ادب اور آرٹ کا مقام ہم سیاست سے بہت زیادہ بلند سمجھتے ہیں۔ اس مقام پر اگر حق و صداقت کا خون کیا جائے تو وہ ایک قومی المیہ ہے، ایک ٹریجڈی ہے۔ اسکے معنے یہہ ہیں کہ ہمارا قومی ادب اخلاقی قدروں کو ضایع کررہا ہے اور ملک کی آزادی کے بعد یہہ ایک بہت

برا اور نہایت افسوسناک حادثہ ہے! جب کسی ملک کا ادب اور ارٹ سیاسی جماعت بندی کا آلہ کار بننے پر راضی ہوجائے تو اس ملک کا مستقبل روشن نہیں کہا جاسکتا۔

بنگلہ، یا مرہٹی یا تلنگی یا اردو کی علاقائی حیثیت ملک کے لئے ہرگز کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خطرہ اگر ہے تو کسی زبان کے ادیبوں کی یہہ تنگ دلی اور تنگ نظری ہے جو بلا شبہ تہذیب اور تمدن کی ترقی کی رفتار کو کم کردیگی۔

ان ہی میں سے بعض ادیبوں نے ترقی پسند مصنفین کی مرکزی انجمن سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ بھی صاف صاف اعلان کرے کہ وہ ہندی زبان کو سرکاری زبان تسلیم کرتی ہے اور "اردو ہندی کے قضیہ کو کسی سیاسی مقصد کے لئے استعمال نہیں کریگی"۔ ترقی پسند مصنفین کی انجمن سے جو ہندی اور اردو کے ادیبوں کی مشترکہ انجمن ہے اس قسم کا مطالبہ کرنا خود ان اہل قلم کے دل کے چور کا پتہ دیتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس انجمن نے بار بار اپنے نقطۂ نظر کو کھلے لفظوں میں ظاہر کردیا ہے۔ وہ سرکاری زبان کی حامی ہے لیکن وہ علاقائی زبانوں کے حقوق کو بھی تسلیم کرتی ہے۔ ہندی اور اردو کا کوئی "قضیہ" اسکی نظر کے سامنے نہیں ہے اور نہ اس قضیہ کا کوئی وجود ہے سوائے ان ذہنی تعصبات کے جنکا اظہار اردو کے ان ادیبوں نے کیا ہے جو الہ آباد میں جمع ہوئے تھے۔ **ہماری علاقائی تحریک ہندی کی بھی اتنی ہی حامی ہے جتنی کہ اردو کی** یہہ تحریک ہرگز ہرگز سرکاری زبان کے مقابلہ میں شروع نہیں کی گئی۔ البتہ اگر وہ مخالف ہوسکتی ہے تو اس تنگ دلی کی جسکا اظہار الہ آباد کے ہندی ادیبوں نے کیا ہے یا ہمارے بعض فرقہ پرست نیتا کرتے رہتے ہیں۔ ترقی پسند ادب کے حامیوں کو الہ آبادی اہل قلم نے جو چیلنج دیا ہے اسکا صاف جواب ان حضرات کو ملنا چاہئے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ملیگا۔

ہلکے ہلکے اشارے

----اترپردیش کی اسمبلی میں ایک کانگرسی ممبر نے سوال کیا کہ کیا حکومت بعض شہروں کے موجودہ نام بدل کر دوسرے نام تجویز کرنا چاہتی ہے۔ مثلاً بنارس کے بجائے کاشی، فیض آباد کے بجائے ایودھیا الہ آباد کے بجائے پریاگ اور سلطانپور کے بجائے کرشن نگر؟

----وزیر اعظم نے جواب دیا کہ اسطرح نام بدلنے سے پبلک کو تکلیف ہوگی!

----پبلک کی تکلیف کا خیال کچھہ ایسا ضروری تو نہ تھا! جب ہم ریلوے اسٹیشنوں پر ہندی نہ جاننے والے مسافروں کو بھٹکتے دیکھتے ہیں اور انکو پتا نہیں چلتا کہ پاخانہ کہاں ہے اور ٹکٹ گھر کدھر ہے اور اسٹیشن ماسٹر صاحب کہاں ملینگے تو ہم خوش ہوتے ہیں کہ بلا سے یہہ بیوقوف مسافر مارے مارے پھررہے ہیں لیکن ہماری سرکاری زبان تو اچھی طرح ترقی کررہی ہے! پھر جب نوبت یہاں تک آ گئی تو اسٹیشنوں اور شہروں کا نام بدلنے میں کیا مضایقہ ہے۔ بس اتنا ہی تو ہوگا کہ الہ آباد کا مسافر فیض آباد پہونچ جائیگا اور فیض آباد جانے والا سلطانپور کے اسٹیشن پر اتر جائیگا!

----تجویز بری نہیں ہے اس پر ہمارے صوبہ کے وزیروں کو غور کرنا چاہئے! ان کم بخت ناموں کے ذریعہ سے ایک غیر بھارتی تہذیب جسطرح الودہ ہوتی ہے آخر اسکا بھی تو کچھہ مداوا ضروری ہے!!

----اول تو ٹنڈن جی نے ہندی منڈل سبھا میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ علاقائی زبان کی "قوم دشمن" تحریک ہندی کو نقصان پہونچانے کے لئے شروع کی گئی ہے----اور پھر انہوں نے فرمایا کہ "میں اردو کا مخالف نہیں ہوں۔ فارسی شاعری سے مجھے محبت ہے، ہمیں فارسی اور اردو پڑھنی چاہئے---پھر فرمایا کہ "لیکن اردو میں رسم الخط کی اشاعت کا زبردست مخالف ہوں"!!

----ہم نے محترم ٹنڈن جی کی باتوں پر متعجب ہونے کی عادت بالکل ترک کردی ہے لیکن اس وقت "پڑھیں فارسی اور بیچیں تیل" کی پرانی مثل یاد آگئی۔ فارسی شاعری سے

محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے موصوف نے یہہ نہ سوچا کہ اسمیں تو غالب ہندوی کے ساتھہ ہی ساتھہ سمرقند و بخارا کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ اس زبان کی اتنی غیر ملکیت کیونکر گوارہ ہو سکتی ہے!۔۔۔ کبھی کبھی ٹنڈن جی اپنی تقریروں میں غالب کا بھی کوئی شعر پڑھ دیا کرتے ہیں، اس لئے وہ شعر بھی انھیں ضرور یاد ہوگا جو ہمیں اس وقت یاد آیا ہے، یعنی

یہہ فتنہ آدمی کی خانہ بربادی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان کے برے دن آ گئے!

۔۔۔ الہ آباد کے ایک اجتماع میں ہندی زبان کے بعض ادیبوں نے یہہ طے کیا ہے کہ وہ ترقی پسند مصنفین کی مرکزی کمیٹی سے اس وقت تک تعاون نہ کریں جب تک کہ یہہ کمیٹی صاف صاف اعلان نہ کردے کہ

۱۔ اس انجمن کی پالیسی کی رہنمائی کمیونسٹ پارٹی نہیں کرتی اور ترقی پسند ہونے کے لئے کمیونسٹ ہونا یا اس کی خارجہ پالیسی تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲۔ انجمن کا کمیونسٹ پارٹی کی لسانی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انجمن ہندی کو سرکاری زبان تصور کرتی ہے۔ مزید یہہ کہ انجمن آردو ہندی کے قضیہ کو کسی سیاسی مقصد کے لئے استعمال نہیں کرے گی۔

۳۔ انجمن کے دروازے تمام مصنفین کے لئے کھلے رہیں گے اور تمام امور پر فیصلہ کثرت رائے سے ہوگا۔

شاید ہندی کے ان ادیبوں کو علم نہیں کہ ترقی پسند مصنفین کی مرکزی کمیٹی بارہا اس قسم کے اعلانات کرچکی ہے اور نہ صرف اعلانات کرتی رہی ہے بلکہ اس جماعت کا عمل بھی ان ہی اصولوں کی تصدیق کرتا رہا ہے۔۔۔ مگر ان مطالبات میں جس نکتہ کی نزاکت زیادہ تیز ہے وہ یہہ مطالبہ ہے کہ "ترقی پسند مصنفین" اردو ہندی کے قضیہ کو کسی سیاسی مقصد کے لئے استعمال نہ کریگی"۔۔۔ آردو ہندی کا وہ "قضیہ" کیا ہے جو ہندی ادیبوں کے دماغوں میں سمایا یہہ تو ہمیں معلوم نہیں۔ البتہ ترقی پسند مصنفین یہہ ضرور کہتے ہیں کہ سرکاری زبان کے اونچے مقام کو تسلیم کرتے ہوئے علاقائی زبانوں کو بھی ترقی کرنے کی پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے۔۔ اور یہہ بات وہی ہے جو ہمارے ملک کا دستور کہتا ہے ۔۔ ہندی ادیبوں کو اگر کسی بات کی صراحت کرانی تھی تو اس بات کی صراحت کراتے کہ خاص طور پر اتر پردیش میں ترقی پسند مصنفین کسی علاقائی زبان کے تحفظ اور ترقی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں ۔۔ یعنی وہ یہہ بات کہتے ہیں یا نہیں کہ اول تو آردو زبان کوئی زبان ہی نہیں اور اگر ہے تو اس ریاست میں تو اسکا کوئی وجود نہیں! ترقی پسند مصنفین اگر اس بات کا اعلان کردیں تو پھر وہ ان ہندی ادیبوں کی کسوٹی پر پورے اترینگے اور اگر انہیں اس بات میں کچھہ کلام ہے تو پھر ہندی اور آردو کی ترقی پسندی بھی تقسیم ہوجاتی ہے ۔۔ یعنی ترقی پسندی کے محاذ پر بھی ان دونوں کا میل ملاپ نہیں ہوسکتا!

۔۔۔ یہہ ہے اصل بات! اور یہہ بات کہی گئی ہے ہندی ادیبوں کے پلیٹ فارم پر۔ آردو زبان کے ترقی پسند اور غیر ترقی پسند ادیبوں کا تو اسطرف خیال و گمان بھی نہیں گیا تھا انھوں نے ابھی تک سوچا ہی نہ تھا!! کہ یہہ بھی ہو سکتا ہے کہ ادب اور آرٹ بھی ہندی اور آردو کے درمیان بانٹا جانے لگے!!

۔۔۔ اتر پردیش کی جے!!

۔۔۔ محترم ٹنڈن جی کو اس فکر و تردد نے بیچین کردیا ہے کہ بھارت کے بعض وطن دشمن لوگ بیچارے مسلمانوں کو بھکا رہے ہیں اور گمراہ کر رہے ہیں۔ اتر پردیش کی ہندی ساہتیہ سمیلن کے جلسے میں موصوف نے فرمایا کہ ملک میں کچھہ ایسے لوگ بھی ہیں جو مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کو پھر زندہ کرنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلم تہذیب کا نام لیکر آردو کو علاقائی زبان قرار دیں۔ آنھوں نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ان وطن دشمن عناصر کے بہکانے میں نہ آئیں اس لئے کہ "ان کی (یعنی مسلمانوں کی) تہذیب وہی ہے جو بھارت کی تہذیب ہے نہ کہ عربی تہذیب"۔

---ٹنڈن جی نے بیچارے مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کی جو کوشش فرمائی ہے اس کا شکریہ ادا نہ کرنا ناحق شناسی ہوگی۔ بڑی بات تو یہہ ہے کہ ہمیں آج تک یہہ معلوم ہی نہ تھا کہ اُردو کی علاقائی تحریک کا ڈانڈا براہ راست مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ سے ملتا ہے اور نہ یہہ معلوم تھا کہ اس دو قومی نظریہ سے ملک عرب کی تہذیب وابستہ ہے جسے ظاہر ہے کہ بھارتیہ تہذیب برداشت نہیں کرسکتی۔

---ہم ٹنڈن جی کے ہم آواز ہوکر ہندی مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھارتیہ تہذیب کو دل و جان سے حاصل کرنے کے لئے دو قومی یعنی دو زبانی نظریہ کو ترک کردیں اور صاف صاف اعلان کردیں کہ خاص اترپردیش کی بھارتیہ تہذیب میں صرف ایک ہی زبان اور ایک ہی رسم الخط کی گنجائش ہے! دو زبانیں ہونگی تو پھر دو قوموں کا ہونا لازم آتا ہے اور دو قومیں ہوئیں تو پھر بھارتیہ تہذیب کی یکتائی کو بٹا لگتا ہے!

---ٹنڈن جی عموماً منطقی استدلال کے ساتھہ ایسی بات فرمایا کرتے ہیں جسکا ہر زاویہ اپنی جگہ قائمہ ہوتا ہے۔ اُردو زبان کا دامن عربی تہذیب سے باندھ کر مسلم لیگ کے دو قومی نظریہ کو علاقائی تحریک پر چسپاں کردینا "منطقیات" کا ایک حکیمانہ مظاہرہ ہے اور سچ تو یہہ ہے کہ اب ہمارے دل میں بھی کچھہ نہ کچھہ یہہ بات اثر کرنے لگی ہے کہ یہہ سب ضرور مسلم لیگ ہی کے جراثیم ہیں جس کے اثر سے علاقائی زبان کی تحریک پیدا ہوئی!!---

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ تعجب کیا ہے اگر علاقائی تحریک کے حامی دراصل وطن دشمن پاکستانی جاسوس ہوں!!

انجمن کی خبریں

دھلی انجمن ترقی اُردو شاخ دھلی کی پندرہ روزہ نشست ۴ اکتوبر ۱۹۵۲ع ۵ بجے شام علی منزل کوچہ پنڈت دھلی میں زیر صدارت پروفیسر ہیرالال صاحب چوپڑا منعقد ہوئی جس میں بیگم صالحہ عابد حسین، بیگم سعدین، بیگم سعادت بانو کچلو بیگم جمیلا خواجہ عزّمہ کشور قدوائی جناب طالب دھلوی طالب چکوالی ساحر ہوشیارپوری، ضیاء فتح آبادی، رعنا جگی زیش کمار شاد، سرور کوندوی، منور لکھنوی غلام ربانی تاباں کے علاوہ کافی ادبا و شعراء نے شرکت فرمائی۔

چونکہ اس نشست میں منشی مہیشور پرشاد منور لکھنوی کی منظوم تصنیف کار سمبھو پر تنقید ہونی تھی اور انجمن ترقی اُردو شاخ دھلی کی جانب سے شاعر اعظم کالیداس کے اس رومانی شاہکار کا خیر مقدم کرنا تھا اس لئے پہلے حمیدہ سلطانہ صاحبہ نے سرسری طور پر تنقید کی اور آخر میں فرمایا کہ کار سمبھو ہندو میتھالوجی کا کالیداس کی قلم سے کھینچا ہوا ایک ایسا دلکش نقش ہے جسکو زمانے کی بدلتی ہوئی ہوا مٹا نہیں سکتی اور منور صاحب نے اسکو اُردو میں ترجمہ کرکے اُردو داں طبقہ پر بڑا احسان کیا ہے۔

انجمن ترقی اُردو کے کارکن چاہتے ہیں کہ ان تمام ادبی جواہر پاروں سے جو ہندوستان کی ہر زبان میں موجود ہے اُردو کا دامن مزین ہو جائے۔ اگر اُردو والے صرف اُردو کے لئے نعرے لگانے یا باتیں بنانے کے بجائے منور صاحب کی تقلید کریں۔ تو میرے خیال میں یہہ زبان و کلچر کا قضیہ خود بخود ختم ہو جائیگا۔

حمیدہ سلطانہ صاحبہ کے بعد مہیش چندر طالب دھلوی نے کار سمبھو پر ایک طویل مقالہ پڑھا ان کے بعد زیش کمار شاد نے بحث کا آغاز کرتے ہوئے مختصر مگر جامع مضمون میں کار سمبھو پر دلکش انداز سے تنقید کی ساحر ہوشیارپوری نے کہا کہ کار سمبھو میں کہیں کہیں دور از کار تشبیہات آگئی ہیں اور کچھہ شعار محض بھرتی کے ہیں۔

آخر میں صدر صاحب نے کہا کار سمبھو شکنتلا کا ہم پلا نہیں لیکن کالیداس کا یہہ رومانی شاہکار بہر حال خاصے کی چیز ہے۔ اور منور صاحب نے کالیداس کے دلکش اسلوب کو اپنا لیا ہے اس لئے مستحق مبارکباد ہیں بحث کے اختتام پر منور صاحب نے کہا کہ میں انجمن ترقی اُردو ہند کا ممنون ہوں جس کی جانب سے میرے اس منظوم ترجمہ کا خیر مقدم کیا گیا کاش انجمن ایسا کرے کہ اچھے مصنفین کی تمام

تصانیف اپنے اہتمام میں چھپوایا کرے تا کہ پبلشر کی زیادتی سے نجات ملے۔

حمیدہ سلطانہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہم شاخ دہلی کو اس قابل بنا رہے ہیں کہ انشاءاللہ تین چار سال بعد یہ کام وہ کر سکے گی۔ تقریباً رات کے ۸ بجے نشست ختم ہوئی۔ آئندہ نشست ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۲ ع کو ہوگی۔

لکھنؤ | سلطانہ بیگم صاحبہ آفس سکریٹری آردو علاقائی زبان کمیٹی اطلاع دیتی ہیں کہ کمیٹی کی طرف سے جو چار سفیر مقرر کئے گئے ہیں وہ یوپی کے مندرجہ ذیل اضلاع کا دورہ کریں گے۔

۱۔ مولانا ابوالبیان صاحب شمس آبادی۔ اٹاوہ، مین پوری، ایٹہ، علی گڈھ، آگرہ، متھرا، بلند شہر، میرٹھ، فرخ آباد، بدایوں، جالون، جھانسی۔

(۲) مولانا حکیم اللہ صاحب هلدوانی۔ مظفر نگر، سہارن پور، دہرہ دون، بجنور، مرادآباد، رام پور، پیلی بھیت، بریلی، گڑھوال، نینی تال، الموڑہ۔

(۳) جناب قدیر احمد خاں صاحب قدیر لکھنوی۔ لکھنؤ، بارہ بنکی، گونڈہ، بہرائچ، سیتاپور، ہردوئی، کانپور، اناؤ، ہمیرپور، فتح پور، باندہ، کھیری، شاہجہانپور، بنارس۔

(۴) جناب وقار علی صاحب انصاری جائسی۔ رائے بریلی، پرتاب گڈھ، الہ آباد، فیض آباد، سلطان پور، اعظم گڈھ، جونپور، گورکھپور، بلیا، غازی پور، مرزاپور، بستی، دیوریا۔

پٹنہ | مسٹر غلام سرور جنرل سکریٹری وایڈیٹر روزنامہ "ساتھی" پٹنہ نے حسب ذیل بیان جاری کیا ہے:

پورے نو مہینے گذر گئے جب ہم نے دستور ہند کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے آردو کو بہار کی علاقائی زبان منوانے کی غرض سے صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں محضر پیش کرنے کی خاطر آردو دستخطی مہم کا آغاز کیا تھا۔ بحمداللہ رمضان، شدت کی گرمی، زبردست سیلاب اور مالی دشواریوں کے باوجود ہم نے ریاست بہار کے گوشہ گوشہ میں تحریک کا جال بچھا دیا۔ انجمن کی ۹۰ باضابطہ منظور شدہ شاخیں ہیں۔ تحریک کے کل ۳۰۰ مراکز ہیں جو ریاست کے مختلف حصوں میں کام کر رہے ہیں۔ ابتدائی ممبروں کی تعداد سیکڑوں سے بڑھکر ہزاروں تک پہونچ گئی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ مرکز سے ہمیں ایک پیسہ کی مدد بھی نہ ملی اور از پر دیش سے کئی ماہ بعد ہم نے تحریک شروع کی۔ ہمارے دفتر میں اس وقت تک ۲ لاکھ دستخطوں کے فارم موصول ہو چکے ہیں۔ مگر ہمیں کم از کم پندرہ لاکھ دستخط حاصل کرنے ہیں۔ ہر آردو ریاست کو اسی وقت دم لیتا ہے جب پندرہ لاکھ دستخط حاصل ہو جائیں۔ آردو دشمنوں کو اس تحریک سے تشویش ہو چلی ہے۔ اُن کی آردو دشمنی کا جواب صرف اس طریقے سے دیا جا سکتا ہے کہ ہم اپنا تن من دھن وقف کر دیں اور دامے درمے قدمے سخنے اکتوبر نومبر دسمبر میں ریاست بہار کے ہر مرد عورت سے دستخط کرا کے چھوڑیں ورنہ آردو کا خدا ہی حافظ ہوگا۔ اور آئندہ نسلیں ہمیں کوسیں گی اور ہماری اس وقت کی غفلت عدم توجہی اور سستی پر ماتم کریں گی۔ اگر ہم نے ۳۰ دسمبر ۱۹۵۲ ع کے قبل قبل تمام دستخطی فارم مکمل نہ کرائے تو آردو کے ساتھ ساتھ ہم بھی فنا ہو جائیں گے اور آردو دشمن گھی کے چراغ جلائیں گے۔

مظفر نگر | ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۲ ع کو آردو علاقائی زبان کمیٹی یوپی کے سفیر حضرت مولانا حکیم اللہ صاحب مظفر نگر تشریف لائے۔ شام کو بعد عشاء انجمن ترقی آردو مظفر نگر کے زیر اہتمام ایک جلسہ خاص منعقد ہوا۔ جس میں مولانا موصوف نے آردو تحریک پر تبصرہ فرماتے ہوئے اس کی اہمیت کو روشناس کرایا۔ اور حاضرین جلسہ کو توجہ دلائی کہ آپ کے شہر اور ضلع میں جو آردو دستخطی مہم کا کام باقی رہ گیا ہے اس کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ حاضرین نے آپ کی بصیرت افروز تقریر سے متاثر ہو کر کام کرنے کا پورا یقین دلایا۔ بعد ازاں مشکورالدین احمد صاحب صدر انجمن ترقی آردو مظفر نگر نے آردو دستخطی مہم کی تفصیلی رپورٹ پیش کی

جس سے معلوم ہوا کہ اس ضلع سے تقریباً نصف لاکھ دستخط حاصل ہو چکے ہیں اور تمام ضلع میں تیس مراکز قائم ہیں جہاں باقاعدگی سے کام ہو رہا ہے۔ ۱۳ اکتوبر کو مولانا موصوف نے شہر کا گشت کیا اور با اثر حضرات سے علحدہ وار ملاقات کی۔ اور اردو دستخطی فارم تقسیم کئے۔

۱۴ اکتوبر کو حکیم اللہ صاحب کھتولی پہنچے اور شب کو ایک خصوصی اجتماع ہوا۔ جس میں آپ نے حاضرین کو خطاب فرمایا اور اردو تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے اپیل کی۔ مولانا محترم ۱۵ اکتوبر کو جانسٹھ گئے۔ اور مدرسہ اسلامیہ طبیہ میں ایک اجتماع کو خطاب کیا اور کام کا جائزہ لیا۔ ۱۶ اکتوبر کو کاندھلہ تشریف لئے گئے اور کام کرنے کی اپیل کی۔ ۱۷ اکتوبر کو موصوف تھانہ بھون اور جلال آباد کے دورے پر گئے۔ اور کام کا جائزہ لیا۔ ۱۸ اکتوبر کو مولانا صاحب ضلع کے دورہ کے بعد مظفر نگر واپس تشریف لائے۔ ان مختلف مقامات سے حکیم اللہ صاحب کو تقریباً پانچ ہزار دستخط وصول ہوئے یہ فارم معرفت انجمن ترقی اردو مظفر نگر مرکزی دفتر لکھنؤ کو روانہ کر دیئے گئے۔ درمیان میں اردو دستخطی مہم میں جو تساہل پیدا ہو گیا تھا اس میں حکیم اللہ صاحب کے دورہ سے ایک نیا جوش اور تازگی پیدا ہو گئی۔ قیام مظفر نگر کے دوران میں مولانا حکیم اللہ، جناب مشکور الدین احمد صاحب صدر انجمن کے مہمان رہے۔ ۱۹ اکتوبر کو مولانا محترم سہارنپور کے دورہ پر تشریف لے گئے۔

اردو کے بہی خواہوں سے اپیل

انجمن ترقی اردو (ہند) کی تحریک اور اس کی سرپرستی میں ۲۳ دسمبر ۱۹۵۱ع کو اردو علاقائی زبان کنونشن کا ایک اجلاس زیر صدارت ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب صدر انجمن لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں اردو علاقائی زبان کی تحریک کا افتتاح ہوا تھا۔

جمہوریہ ہند کے آئین کے مطابق اردو بھی چودہ زبانوں میں شامل ہے جس کو ہمارا دستور و آئین ملک کی زبانوں میں شامل کرتا ہے۔ ہندی ملک کی سرکاری زبان بالفعل انگریزی کے ساتھ ساتھ قرار دی گئی ہے۔ جہاں تک اتر پردیش کی ریاست کا تعلق ہے یہاں کی سرکاری و علاقائی زبان ہندی ہے۔ لیکن آئین جمہوریہ کی دفعہ ۳۴۷ کی رو سے اگر کافی تعداد آبادی کی خواہ وہ اقلیت ہی میں شمار کی جاتی ہو صدر جمہوریہ کا اطمینان کر سکے کہ یہ لوگ علاوہ ہندی کے کسی دوسری زبان کو بھی علاقائی زبان قرار دینے کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ دوسری زبان یعنی اردو بھی اس ریاست میں علاقائی زبان قرار دی جا سکتی ہے۔ ہمارے کنونشن نے یہ مطالبہ پیش کیا اور اس کے حق بجانب قرار دینے کی یہ سبیل نکالی کہ اس ریاست سے تقریباً بیس لاکھ دستخط آبادی کے اس مطالبہ کو تقویت دینے کے لئے حاصل کئے جائیں کنونشن کے بعد فوراً ہی دستخط حاصل کرنے کا کام پورے جوش سے شروع ہوا۔ انجمن ترقی اردو نے ایک کمیٹی اس خاص کام کے لئے مقرر کر دی جس کا نام اردو علاقائی زبان کمیٹی قرار پایا۔ اور جس کا دفتر نظر باغ۔ لکھنؤ میں قائم ہوا۔ کئی لاکھ دستخط بھی حاصل ہوئے۔ لیکن فروری کے مہینہ میں ملک میں جنرل الکشن یعنی چناؤ کا ہنگامہ برپا ہو گیا اسکے بعد طلباء کے امتحانات کی تاریخیں سر پہ آ کھڑی ہوئیں اور پھر رمضان کا مہینہ۔ ان سب کاوشوں میں کام کی رفتار بہت سست ہو گئی جو تاریخ کام کی تکمیل کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ دو دفعہ بڑھانی پڑی۔ جولائی میں کمیٹی نے کام میں از سر نو جوش پیدا کرنے کے لئے علاقائی زبان کمیٹی کا ہفتہ منایا اور اس سے تحریک کو

از سر نو تقویت دیں۔ اس وقت صورت حال یہہ ہے کہ اس ریاست میں کمیٹی کے تقریباً ۵۰۰ مرکز ایسے آیہہ ہوگئے ہیں جہاں ہمارے بہت کافی رضاکار مستعدی سے کام کر رہے ہیں۔ دفتر میں جو اطلاعیں آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۱۱ یا ۱۲ لاکھ دستخط قصبوں، شہروں اور دیہات میں ہوچکے ہیں۔ ۲ لاکھ دستخطوں کے فارم علاقائی زبان کے دفتر میں وصول ہوچکے ہیں اور موجود ہیں۔ چونکہ یہہ کام مستقل نہیں عارضی ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اسکی جلد سے جلد تکمیل کی جائے لہذا کسی حالت میں یہہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ اس کی میعاد ایک سال سے زائد تجاوز کرے لہذا علاقائی زبان کمیٹی نے یہہ فیصلہ کیا ہے کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۵۲ع اس کام کے ختم کرنے کے لئے آخری تاریخ مقرر کی جائے اس کے بعد کوئی دوسری تاریخ نہیں بڑھائی جائے گی۔ اور جس قدر بھی دستخط اس تاریخ تک حاصل ہوجائیں گے انہیں لیکر ہمارا وفد صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ اگر یہہ بیس لاکھ کی تعداد پوری نہ ہوسکی تو یہہ امر قابل افسوس ہوگا۔ اس سے ہمارے مطالبہ میں کمزوری آئے گی۔ اردو کے بولنے والے اور بہی خواہ تو کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور زبانی جوش کی کمی بھی نہیں۔ لیکن تنظیم اور جوش عمل کی کمی ہے۔ اردو کے بہی خواہوں کو اس کمی کو اب دور کرنا ہے اور یہی وقت ہے مستعدی سے کام کرنے کا۔ اب تک کام خط و کتابت اور گشتی چٹھیوں سے چلایا گیا ہے اور اس کمیٹی کے جنرل سکریٹری نے کئی مقامات کا دورہ بھی کیا ہے۔ اب صوبے کو چار حصوں میں تقسیم کرکے چار سفیر مقرر کئے گئے ہیں جو برابر ڈھائی مہینے تک اپنے حلقے کا دورہ بھی کرتے رہیں گے اور جہاں جہاں دستخط ہوگئے ہیں انہیں حاصل کریں گے، جہاں کام کی رفتار سست ہے اس کی تنظیم کرکے کام کو پوری طرح چلائیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اردو کے بہی خواہ بالعموم اور ہمارے سیکڑوں مرکز بالخصوص اس کام میں ہمارے سفیروں سے پورا تعاون کریں گے اور جس قدر بھی کوشش ہو سکتی ہے آپ اپنے جوش عمل سے پورا کریں گے۔

ایک ذہنیت یہہ بھی ہے کہ دستخط تو ہوگئے ہیں لیکن ہمارے مرکزی دفتر کو نہیں بھیجے جاتے نہ معلوم کس دن کا انتظار کیا جارہا ہے ہمارے کارکنوں کو شاید یہہ بھی نہیں معلوم کہ کل تعداد دستخطوں کے حاصل ہوجانے پر کام ختم نہیں ہوگا ان دستخطوں کے فارم کی جانچ کرنے کی اور تفصیل سے ان کو علیحدہ علیحدہ قصبہ وار اور مذہب کے لحاظ سے بھی فہرستیں تیار کرنے میں کئی ہفتہ لگیں گے۔ جب یہہ سب کام مکمل ہوجائیگا تب وفد کے دہلی جانے کی نوبت آئے گی اس لئے ہم اپیل کرتے ہیں کہ ہمارے مرکزوں کے کام کرنے والے ہمارے سفیروں سے پورا تعاون کرکے جس قدر بھی دستخط حاصل ہوگئے ہیں فوراً ان کے حوالے کر دیں گے اور آئندہ دو مہینے کے لئے کام جاری رکھیں اور یہہ نہ بھولیں کہ آخری تاریخ ۲۲ دسمبر ہے اور اگر اس تاریخ تک انہوں نے بیس لاکھ کا کوٹا پورا نہیں کیا تو ہمارے سب کے لئے بڑے شرم اور افسوس کی بات ہوگی۔ اور اگر یہہ کام پورا ہوگیا تو ہمیں اپنی جگہ یقین کامل ہے کہ ہم سرخرو ہونگے اور اس ریاست میں از سر نو اردو کا بول بالا ہوگا۔

کشن پرشاد کول۔ صدر!

حیات اللہ انصاری۔ جنرل سکریٹری

اردو علاقائی زبان کمیٹی

[نظر باغ .... لکھنؤ]

باہتمام عزیز حسین منیجر نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلیشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڈھ سے شائع کیا۔